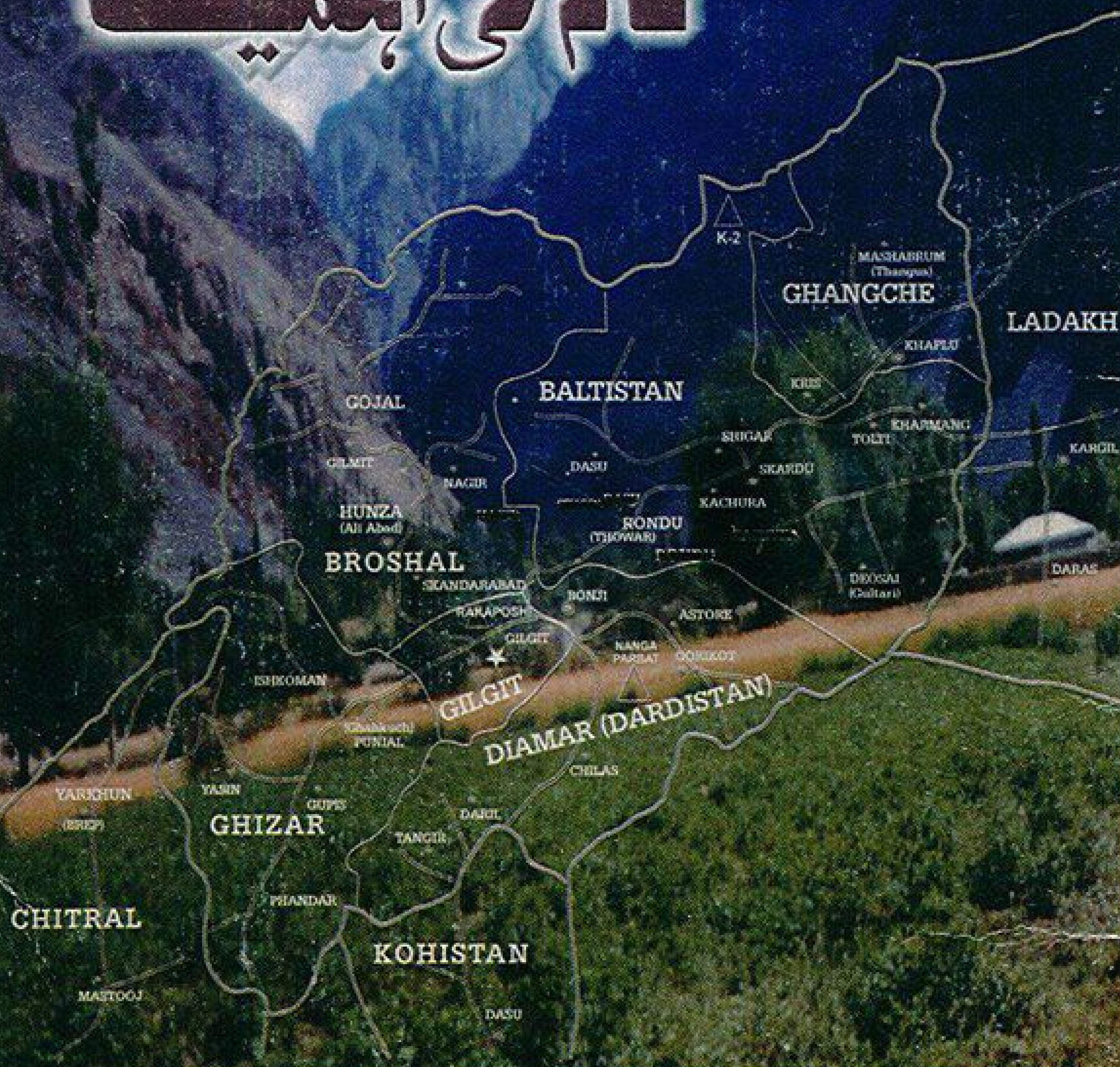
ہم کون؟

نام کی اہمیت



نواز خان ناجی

آغاز

مادی وجود رکھنے والی یہاں تک کہ تصور میں آنے والی تمام چیزوں کے لئے نام کا استعمال ہوتا ہے۔ نام اہتمام کے ساتھ رکھا جائے یا نہ رکھا جائے ہر حال میں وجود کا نام پڑ ہی جاتا ہے لیکن جن چیزوں کے والی وارث اور دلچسپی رکھنے والے ہو تو اس چیز کا نام اہتمام کے ساتھ رکھتے ہیں۔ لاوارث اور کسی کی دلچسپی سے خالی چیزوں کے نام اتفاقیہ پڑ جاتے ہیں اور مشہور ہو جاتے ہیں۔ نام انسانوں کا ہو یا جانوروں کا، علاقوں کا ہو یا اجرام فلکی کا، یا دیگر مادی و تصوراتی اشیاء کا سب کسی نہ کسی طرح بامعنے اور بامقصد ہوتے ہیں۔ جن سے اس چیز کا چہرہ سامنے آتا ہے اور ان کی وجود اور حقیقت کی پہچان ہوتی ہے۔

ہم اس کتابچہ کے ذریعے ایک مخصوص حیثیت، خصوصیت اور وجود رکھنے

والے قطعہ ارض جو کہ اپنے الگ نام سے محروم ہے کیلئے کسی مناسب نام کا تلاش کرتے ہیں کیونکہ اس وقت اس قطعہ ارض کیلئے جو نام استعمال ہو رہا ہے وہ اس کے الگ وجود کی حیثیت کے مقابلے میں کم اور نامناسب ہے۔

ہمارا مطلب شمالی علاقہ جات ہیں جو انتظامی اضلاع گلگت، بلتستان، دیامر، غذر اور گانچھے پر مشتمل ہے۔ یہ علاقہ پاکستان کے زیر انتظام ہونے کے ناطے اُسے پاکستان کے شمالی علاقہ جات کہا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ علاقہ متنازعہ ہونے کے ناطے پاکستان کے زیر انتظام کشمیری اور بھارتی مقبوضہ کشمیری اپنا شمالی علاقہ سمجھتے ہیں۔ یہ علاقہ اگر متنازعہ ہونے کے بجائے پاکستان کا باقاعدہ آئینی حصہ ہوتا تو شاید اس نام پر تنقید کم اور معمولی نوعیت کی ہوتی لیکن جس طرح سیاسی اور آئینی طور پر یہ علاقہ الگ وجود رکھتا ہے اس طرح کا الگ نام ہونا لازمی ہے۔

ہم اس کتابچے میں اس علاقے کی آئینی حیثیت کسی سے جوڑنے، یا توڑنے پر بحث نہیں کرتے ہیں بلکہ محض اس علاقے کیلئے کوئی مناسب نام تجویز کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خواہ اس علاقے کا مستقبل پاکستان سے جڑ جاتا ہے یا کشمیر سے یا پھر دونوں سے الگ۔ اس نام کو استعمال میں لایا جا سکے اور ہر صورت میں اس علاقے کی حیثیت بر قرار رہے۔

جس طرح یہ علاقہ کسی بھی ہمسایہ اکائی سرحد یا کشمیر وغیرہ کا ذیلی حصہ نہیں اسی طرح اس علاقے کی پہچان بھی ان اکائیوں کے مساوی ہونا چاہیئے۔ ورنہ موجودہ صورت میں نہ صرف اس علاقے کا معروف نام نہیں بلکہ اس علاقے کی الگ حیثیت بھی محض نام کے نہ ہونے کی وجہ سے مشکوک ہے۔ اور شمالی علاقوں کی وجہ سے ہر

سیاسی اکائی اس کا دعوے دار ہیں اور اپنا شمالی علاقہ جات سمجھ رہا ہے۔ یہ علاقہ نہ صرف پاکستان کا شمالی علاقہ سمجھا جارہا ہے بلکہ سرحد اور کشمیر والے بھی اُسے اپنا شمالی علاقہ سمجھ رہے ہیں اور دوسری طرف بھارت بھی جموں کشمیر کے حوالے سے اُسے اپنے سے منسوب شمالی علاقہ سمجھ رہا ہے۔ یہ سب خطرناک اشارات ہیں جو ہماری قوم سے تعلق رکھنے والے کسی بھی ذی شعور اور احساس رکھنے والوں کیلئے ناقابل برداشت ہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنا الگ قومی نام اختیار کرنا چاہئے ورنہ اس نام سے پورے کا پورا کام جواب تک بگڑا ہوا ہے مزید بگڑ جائیگا۔

ہمارا مستقبل خواہ جو بھی ہو ہماری پہچان ہر حال میں ضروری ہے۔ اس سلسلے میں اس کتابچے میں تاریخی و جغرافیائی ناموں اور ان کے مختلف تلفظ اور دیگر متعلقہ ناموں کو اختصار سے زیر بحث لایا گیا ہے۔ تمام زمینی حقائق کی روشنی میں مناسب ترین تجویز اپنانا اب قوم کا فرض بنتا ہے اس سلسلے میں مثبت تنقیدی رویہ اختیار کرتے ہوئے علمی و عقلی بنیادوں پر ہمیں حقیقت کو تسلیم کرنے میں کسی قسم کی ذاتی خیال اور جذباتی معاملے کو رکاوٹ بننے نہ دینا چاہئے۔

قومی وجود

شمالی علاقہ جات کا سب سے بڑا مسئلہ قومی تشخص اور پہچان کا ہے۔ بابوسر سے خونجراب، اور سیاچن سے شندھور تک 28ہزار مربع میل رقبہ جو شمالی علاقہ جات کے سرکاری نام سے موسوم ہے، ایک سیاسی، جغرافیائی اور انتظامی اکائی ہے۔ جس کا کوئی قومی نام سرکاری طور پر تسلیم نہیں جس کی وجہ سے اس اکائی پر مشتمل وطن اور یہاں بسنے والے لوگوں کی قومی تشخص اور علیحدہ حیثیت مشکوک ہے، اس صورت حال سے اس علاقے اور یہاں بسنے والے لوگوں کے مخالفین فائدہ اٹھارہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اس علاقے پر ہمسائے اپنا دعویٰ جتارہے رہے ہیں بلکہ اس اکائی کو توڑ پھوڑ کر ٹکڑے کرنے کی سازشیں بھی سرعام کررہے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس علاقے کا صحیح حدود اربعہ اور قومی شناخت طے کیا جائے۔

شمالی علاقہ جات کا قومی نام تجویز کرنے سے قبل ہمیں اس کے وجود کے بارے میں حقیقی جائزہ لینا ہوگا۔ اس سلسلے میں ہم تمام زمینی حقائق پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

آئینی لحاظ سے یہ علاقہ اس وقت ایک ایسی الگ اکائی ہے جو کسی بھی آئین کے دائرہ اختیار میں نہیں آتا۔ حکومت پاکستان کے زیر انتظام ہوتے ہوئے آئین کا حصہ نہیں۔ جموں وکشمیر کے ساتھ متنازعہ علاقہ ہوتے ہوئے بھی آزاد جموں کشمیر کی عبوری آئین کا حصہ نہیں۔

اگر ریاست جموں کشمیر کے حوالے سے بھارت نے اپنے آئین کا حصہ بنا بھی دیا تو

اس کی کوئی حیثیت نہیں اس لئے کہ عملاً یہ علاقہ مقبوضہ جموں وکشمیر اور بھارت کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ یہ بات محض ایک دعویٰ ہو سکتی ہے حقیقت نہیں۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ علاقہ ایک الگ حیثیت کے حامل سیاسی اکائی ہے جس کی اپنی آئین بھی ہونی چاہئے۔

سیاسی لحاظ سے یہ علاقہ بین الاقوامی طور پر پاکستان اور بھارت کے مابین جموں و کشمیر کے دیگر خطوں کی طرح متنازعہ علاقہ ہے تاہم اس کی علیحدہ حیثیت واضح ہے۔

جغرافیائی لحاظ سے سلسلہ ہائے ہمالیہ، قراقرم اور ہندوکش کے درمیان واقع ہے جو قدرتی طور پر قلعہ نما الگ خطہ ہے۔ سلسلہ ہائے کوہ نے دیگر ہمسایہ علاقوں سے اس خطے کو قطعاً الگ تھلگ کر دیا ہے۔ جس کا بیرونی دنیا سے رابطہ نہایت مشکل اور دشوار گزار ہے۔ تبت اور جموں وکشمیر سے ہمالیاتی سلسلے چینی ترکستان سے سلسلہ قراقرم اور وسطی ایشیائی ملکوں سے ہندوکش کے سلسلے اس علاقے کو کاٹ دیتے ہیں۔ جنوب کی طرف صرف کوہستان کی تنگ وادی سے دریائے سندھ گزرتا ہے۔ کوہستان کی وادی ایک درہ کی مانند ہے جو نہایت ہی تنگ اور دشوار گزار ہے شاہراہ قراقرم یہاں بڑی مشکل سے بنائی گئی ہے۔ آج بھی شاہراہ اس جگہ نہایت ہی خطرناک اور دشوار گزار ہے۔ اس طرح یہ علاقہ قدرتی طور پر ایک جغرافیائی وحدت اور باقی دنیا سے یکسر الگ تھلگ اور کٹا ہوا ہے۔

تاریخی اعتبار سے یہ علاقہ لمبے عرصے تک مختلف ناموں کے ساتھ ایک وحدت اور باقی دنیا سے آزاد اور الگ رہا ہے۔ ایک لمبے عرصے تک یہ علاقہ باقی دنیا سے آزاد مگر مختلف ٹکڑوں میں بٹا ہوا اور مکمل طور پر آزاد رہا ہے۔ ایک مختصر عرصے کیلئے یہ علاقہ

مختلف ادوار میں بیرونی حملہ آوروں کے زیر اثر بھی رہا ہے۔

اس سلسلے میں ماضی قریب کی جموں و کشمیر ڈوگرہ حکومت اور انگریزوں کا قبضہ تاریخ کا حصہ ہے۔ وسط ایشیاء، تبت چین کا بھی اس علاقے پر اثرات نمایاں ہیں۔

ثقافتی اعتبار سے یہ علاقہ باقی دنیا سے منفرد اور اندرونی طور پر معمولی فرق کے ساتھ ایک غیر مبہم وحدت رہا ہے۔ یہاں کی موسیقی، موسیقی کے آلات، رہن سہن کے اطوار تہذیب و ثقافت اور طرز تعمیر تقریباً پورے خطے میں ایک جیسے اور باقی دنیا سے منفرد ہے۔

لسانی اعتبار سے یہ خطہ اندرونی طور پر مختلف زبانوں میں بٹا ہوا ہے۔ تاہم باقی دنیا کے لسانی اکائیوں سے یہ خطہ مکمل طور پر مختلف اور مفرد ہے۔ اندرونی طور پر بھی مختلف زبانیں آپس میں مکمل مماثلت رکھتی ہے۔

انتظامی لحاظ سے یہ علاقہ ایک الگ حیثیت کے حامل بالکل الگ اکائی ہے جس کا اپنا غیر آئینی انتظامی نظام ہے جو حکومت پاکستان کے زیر انتظام ہونے کی وجہ سے سربراہ حکومت پاکسان کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا تمام حقائق اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ علاقہ علیحدہ تشخص کے حامل ایک وحدت ہے۔ جس کی الگ قوم کی حیثیت سے پہچان ہونی چاہئے۔ اور اس کا معروف نام بھی۔

اس سلسلے میں سائنسی بنیادوں پر اس وحدت کی تعریف ہونی چاہئے۔ اور اس کی بنیادیں واضح ہونی چاہئے۔ تاکہ نام اور حدود اربعہ کو حقیقی معنوں میں طے کیا جاسکے۔

چنانچہ اس اکائی میں بولی جانے والی زبانیں اور نسلیں جو ایک دوسرے سے مماثلت

بھی رکھتی ہے اور دیگر دنیا سے اختلاف بھی۔ ان زبانوں میں شینا، بلتی، لداخی، بروشسکی، کھوار، وخی، کوہستانی اور دیگر چھوٹی بڑی زبانیں ہیں جو لداخ سے چترال اور کوہستان سے گوجال تک تمام علاقوں میں بولی جاتی ہیں۔ یہاں کی نسلیں بھی اس علاقے میں اس طرح پھیلی ہوئی ہے کہ ایک ہی نسل کی شگر میں آباد ایک شاخ بلتی بولتی ہے تو گلگت میں آباد دوسری شاخ شینا زبان بولتی ہے۔اس طرح ایک ہی نسل کی چترال میں آباد شاخ کھوار بولتی ہے تو اسی نسل کی یاسین والی شاخ بروشسکی اور گلگت والی شاخ شینا زبان بولتی ہے۔ اس طرح کی صورت حال یہاں بسنے والے بیشتر قبیلوں اور خاندانوں کی ہیں۔ جن کی مختلف شاخیں پورے علاقے میں پھیلی ہوئی ہے۔

مذکورہ بالا زبانوں کے بولنے والے اس طرح گھل مل کر آباد ہیں کہ ان کو زبانوں کی بنیاد پر تقسیم کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے کہ بروشسکی، ہنزہ، نگر اور یاسین میں بولی جاتی ہیں۔ جو جغرافیائی طور پر یکجا کرنا ممکن ہے۔ شینا، دراس، سدپارہ، مناپن، ہندی (ناصر آباد) اور اشکومن تک بولی جاتی ہیں۔ یہ علاقے بلتی، بروشسکی اور کھوار بولنے والوں کے درمیان میں واقع ہیں۔ جس سے الگ اکائی بنانے کیلیے نہ تو بلتستان کو توڑا جاسکتا ہے اور نہ ہی مناپن اور ہندی کو نگر اور ہنزہ سے الگ کئے جاسکتے ہیں نہ ہی اشکومن کو کھوار علاقے سے نہ عشریت کا علاقہ چترال سے الگ کر کے شینا اکائی میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح نہ ہی چتور کھنڈ کو پھنڈر سے ملا کر پھنڈر کو چترال میں ضم کر کے الگ کھوار اکائی بنائی جاسکتی ہے۔ لہٰذا اس علاقے کو زبانوں کی بنیاد پر تقسیم کرنا ممکن نہیں۔ ان تمام علاقوں کو ایک ہی وحدت میں رکھنا لازمی ہے۔ نسلی اعتبار سے بھی پورا علاقہ بُری طرح اختلاط کا شکار ہے۔ ایک ہی نسل کے لوگ لداخ،

بلتستان، گلگت، غذر، چترال، دیامر اور کوہستان سمیت تمام خطے میں آباد ہیں۔ یہ صورت حال چند نسلوں، قبیلوں یا خاندانوں کا نہیں بلکہ نوے فیصد سے زیادہ نسلوں کا ہے۔ واضح اکثریت اُن نسلوں کی ہیں جن کی آبادی پورے علاقے میں منتشر آباد ہیں اور مختلف علاقوں میں مختلف زبانوں کو اپنا رکھا ہے۔ لہٰذا یہ علاقہ نسلی اعتبار سے بھی ناقابل تقسیم ہے۔ اس طرح یہ علاقہ اپنے ہمسائیوں سے ہر لحاظ سے یکسر مختلف ہے نیز اس علاقے کے کسی بھی نسلی یا لسانی جز کا ہمسایہ علاقوں سے الحاق ممکن نہیں۔ مثلاً جنوب کی طرف شینا بولنے والے پٹھانوں سے یکسر مختلف ہے کوئی بھی شینا بولنے والا یہاں تک کہ کوہستانی بھی خود کو پٹھان نہیں سمجھتا بلکہ وہ پٹھانوں سے تضاد رکھتے ہوئے اس علاقے کے دیگر لسانوی گروہوں بلتی، بروشکی یا کھوار کو اپنی قوم سمجھتا ہے۔ مشرق میں بلتی یا لداخی اپنے ہمسایہ کشمیر سے کوئی تعلق یا دلچسپی نہیں رکھتا اور نہ ہی وہ کشمیری بننا چاہتا ہے وہ کشمیری کے بجائے اپنے ہم وطن شینا، کھوار وخی وغیرہ کو ترجیح دیتا ہے۔ بلتی اور خصوصاً لداخی کا نسلی تعلق تبت سے ہے لیکن الحاق تبت اُن کو منظور نہیں۔ جس کی جغرافیائی اور دیگر وجوہ ہیں۔ شمال میں بروشو، چینی ترکستان (شنجیانگ) کا اُیغور بننے کو تیار نہیں۔ بروشو، شینا، کھوار، بلتی کا نسلی اور قومی بنیادوں پر جز ہے۔ لیکن اس کا اُیغور سے کوئی تعلق نہیں۔ اس طرح وہ تاجک سے ایک حد تک ثقافتی تعلق ہوتے ہوئے بھی اس قوم کا حصہ بننے کو ہرگز تیار نہیں۔ اس طرح مغرب میں کھوار، بدخشانی یا پختون بننے کو تیار نہیں۔ وہ خود کو شینا، بلتی اور بروشو کا حصہ سمجھتا ہے لیکن افغانی کبھی نہیں بن سکتا۔ گویا شینا، بلتی، برشکی، کھوار نیز لداخی، کوہستانی، وخی اور دیگر چھوٹی زبانیں بولنے والے آپس میں ایک قوم

ہے۔اور ہمسائیوں کی نسبت سے یہ بالکل مختلف لوگ ہیں۔

بر صغیر کے حوالے سے اس علاقے کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کی اپنی کوئی شناخت یا حیثیت نہیں بلکہ کشمیر اور پختون علاقوں کے ذیلی شاخیں ہیں بالکل غلط ہے۔

اس سلسلے میں واضح رہے کہ اس علاقے پر نہ صرف بر صغیر پاک و ہند کے تہذیب و ثقافت یا زبانوں اور نسلوں کا اثر ہے بلکہ قوموں کا سنگم ہوتے ہوئے یہاں تبت، چین، منگولیا، روس، وسطی ایشیائی ملکوں اور ایران کا اثر بھی نمایاں ہے۔لداخ بلتستان کے لوگ تبتی (تاتاری) ہیں۔بر شسکی بولنے والے اور شینا بولنے والے قدیم بروشو (یشکن) تورانی اور تاتای ہیں۔ اس طرح شمال مغرب کی طرف تاجک، افغان، یونانی اور بد خشانی نسلیں آباد ہیں۔وادی سندھ سے وارد ہونے والی آریہ نسلیں شین وغیرہ بر صغیر کی نسلوں کا حصہ ہیں۔

اسی طرح یہاں چینی نسل "ہن" بھی آباد ہیں۔ ہنزہ، ہنزل، ہن شال (ہنو چل) اور گلگت سے قرمبر تک وادیٔ "ہنسارا" اس بات کی شہادتیں فراہم کرتے ہیں کہ یہاں ہنوں کا اثر نفوذ موجود ہیں۔

عام طور پر چینیوں کو "خنصو" کہتے ہیں۔ جو انگریزی میں "Hunzu" لکھا جاتا ہے۔اور چینی بھی H کو Kh ہی پڑھتے ہیں اور ہنزہ کو خنزہ ہی بولتے ہیں۔ اس طرح ہن سارا ہنزل اور ہنشال (ہنو چل، ہمو چل) کا مطلب بھی ہنوں کے رہنے کی جگہ ہی ہوتی ہے۔اس کے علاوہ شینا بروشسکی بولنے والے جب چینی زبان سیکھ لیتے ہیں تو اہل زبان کی طرح بول سکتے ہیں جو کہ دوسرے لوگوں کیلئے ممکن نہیں۔

ان زبانوں میں کچھ حروف ایسے ہیں جو چینی زبان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ ژ = ژے (تین)　　　۲۔ چھ = آچھی (آنکھ)

۳۔ ژ = ژہ (بھائی)　　　۴۔ تز = تزا (بھائی)

(مزکورہ حروف سمجھانے کیلئے شینا میں مثالیں دی گئی ہے۔باقی زبانوں کے قارئین اس سے مدد لیں)

جبکہ مندرجہ بالا حروف بر صغیر، مشرق وسطیٰ اور یورپ کی زبانوں میں موجود نہیں ہیں۔ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے ملک سے دسرے ملک جاتا ہے تو کہتا ہے باہر Out جاتا ہوں جبکہ اس علاقے کے لوگ جب چین جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "اندر" In جاتے ہیں۔ خود چین کی اپنی نفسیات یہ ہے کہ ZhunGhua (جو چینی زبان میں چین کا نام ہے) کا مطلب سینٹرل اسٹیٹ ہے اور وہ اردگرد کو اپنے مضافات سمجھتے ہیں۔اس طرح چین اور تبت سے اس علاقے کا قدیم رشتہ قائم ہے۔ یہاں بہت قدیم میں جاکر بیشتر نسلوں کا تعلق منگولوں سے ہیں۔ منگولوں کی ذیلی شاخیں تاتاری، تورانی اور ترک وغیرہ سے ہی یہاں کی مقامی نسلوں کا تعلق ہے۔ یہاں فارسی علاقوں، تاجک، ایرانی اور بدخشانی ودیگر افغان نسلوں سے بھی گہرا تعلق ہے۔بیشتر نسلیں تاجک اور ایرانی ہیں اور ان علاقوں سے ثقافتی اور روحانی رشتہ اب بھی لوگوں میں بالکل واضح اور مضبوط ہے۔

تبت، چین اور منگول سے اگرچہ بظاہر تعلق کم نظر آتا ہے لیکن وسطی ایشیاء اور افغان وایران سے ان کا تعلق واضح نظر آتا ہے۔ان علاقوں کا قدیم ثقافتی ورثہ تاجکستان اور بدخشاں سے آج بھی مشترک ہے۔اور اس طرح کا رشتہ بر صغیر پاک وہند کی قومیتیں پختون، پنجابی اور کشمیری وسندھی سے بھی قائم ہیں۔

باقی لوگوں سے الگ اور آپس میں ایک قوم کی تمام صفات اس علاقے کے لوگوں

میں موجود ہے۔ البتہ اس علاقے کے لوگ ایک قوم ہوتے ہوئے بھی اندرونی طور پر زبانوں، نسلوں اور جغرافیائی وجوہ کی بنیاد پر ذیلی اکائیوں میں منقسم ہیں۔ ان منقسم اکائیوں کے مجموعہ کو مشترکہ مفادات کے پیش نظر ایک قوم کہا جاسکتا ہے۔ یہ کہنا کہ مختلف زبانوں اور نسلوں کے لوگ ایک قوم نہیں ہوسکتے جدید علم سیاسیات کی رو سے بالکل غلط ہے۔ اگر اس کلئے کو تسلیم کرلیا جائے تو موجودہ دنیا کا نقشہ یکسر تبدیل ہوجائیگا۔ اور ہر چھوٹی سے بڑی اکائی متاثر ہوجائیگی۔

یہ حقیقت ہے کہ قدیم زمانے میں قوم سے مراد ایک خاندان یا نسل لیا جاتا تھا۔ پھر ایک زبان بولنے والوں کو قوم کہا گیا۔ اب علم سیاسیات کے ماہرین قوم کی تعریف یوں کرتے ہیں۔ ”انسانوں کا وہ گروہ جو مشترکہ مفادات کا حامل ہو قوم کہلاتا ہے۔“ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام ممالک کثیر القومیتی ہیں۔ اور ایک ہی ملک کے اندر صوبے اور ریاستیں بھی کثیر القومتیں ہیں۔

مثلاً دنیا کے بڑے ممالک چین، امریکہ، روس، ہندوستان وغیرہ میں کونسے ایک ہی نسل کے لوگ آباد ہیں۔ یا ایک ہی زبان بولتے ہیں۔ اس طرح دیگر ممالک کی بھی یہی صورت حال ہیں۔ خود پاکستان کثیر لقومیتی ملک ہے اور یہاں تک کہ پاکستان کے چاروں صوبے بھی کثیر القومیتی ہیں۔ ان تمام حقائق کے باوجود ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ شینا، بلتی، کھوار اور بروشسکی وغیرہ بولنے والے ایک قوم نہیں ہے۔ بلکہ ہم ایک جملے میں اس علاقے کی قومی تعریف کرسکتے ہیں :۔ ”ہمالیہ، قراقرم اور ہندوکش کے سنگم میں آباد لداخ سے چترال اور کوہستان سے گوجال تک شینا، بلتی، بروشسکی، لداخی، کھوار، وخی، کوہستانی وغیرہ بولنے والے لوگ ایک قوم ہے۔“ اب اس قوم کا

نام بھی تجویز ہونا چاہئے اور اس سیاسی اکائی کا حدود اربعہ ان تمام علاقوں پر مشتمل ہونا چاہئے۔

اس علاقے کا بنیادی مسئلہ لوگوں کے درمیان ایک غیر متنازعہ اور نمائندہ نام کا ہے۔ ایک قومی نام نہ ہونے کی وجہ سے اس قوم کا وجود اور حیثیت کے بارے میں سوالات پیدا ہو رہے ہیں۔ حالانکہ ماضی میں مشترک ناموں سے اس علاقے کو موسوم کیا گیا ہے۔ اور مستقبل میں بھی اس کی اشد ضرورت ہے۔

خواہ یہ علاقہ پاکستان کا آئینی حصہ بنے یا واپس جموں کشمیر جائے یا پھر خود مختار، ہر صورت میں اس علاقے کی علیحدہ حیثیت کے پیش نظر ایک قومی نام کی ضرورت ہے۔ یہ تو کسی صورت ممکن نہیں کہ اس علاقے کو کشمیر یا پاکستان کے کسی صوبے میں ضم کر دیا جائے۔ معترضین کا یہ کہنا بھی غلط ہوگا کہ ہم اس علاقے کیلئے ماضی کا کوئی نام یا کوئی نیا مناسب نام متعارف کرائیں۔ جو کہ ایک مصنوعی کوشش ہوگی حالانکہ یہی کچھ سوئزرلینڈ، جرمنی اور افغانستان اور پاکستان وغیرہ میں بھی ہوا ہے۔ یورپ میں جب فرانس، جرمنی اور اٹلی کے درمیان موجودہ سوئیز علاقوں کے حصول کیلئے جنگ وجدل کا آغاز ہوا جہاں تینوں نسلوں کے لوگ ملے جلے آباد ہیں۔

آخر کار تینوں ملکوں نے اس خطے کو خود مختار بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس کا نیا نام سوئیزرلینڈ تجویز کیا۔ سوئیزرلینڈ کو امن کا خطہ قرار دیکر ایک ایسا آئین مرتب کیا گیا جہاں تینوں نسلوں کے لوگوں کا اقتدار میں شراکت یقینی ہوگئی۔ عالمی جنگوں کے دوران پورا یورپ تباہی کا شکار ہوا لیکن سوئزلینڈ امن کا گہوارہ بنا رہا۔ گویا سوئیز پہلے سے کسی قوم کا نام یا سوئیزرلینڈ کوئی ملک نہیں تھا بلکہ حسب ضرورت ایجاد

کیا گیا ہے۔

جرمنی بھی زمانہ قدیم سے کوئی ملک نہیں تھا بلکہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا ایک خطہ تھا۔ ارد گرد کی قوتوں کے حملوں نے انہیں منظّم کیا اور نئے اتحاد کو جنم دیا۔ قوم کا نام جرمن اور ملک کا نام جرمنی پڑ گیا۔ آج جرمنی ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ اس طرح افغانستان اور پاکستان بھی حسب ضرورت ایجاد کئے گئے نام اور اقوام ہیں۔ جنہیں ہم مضحکہ خیز اور مصنوعی قرار نہیں دے سکتے۔ ملک امریکہ اور امریکی قوم بھی مصنوعی طریقے سے ہی بنے ہیں۔

مروجه اور متعلقه نام

زمانہ قدیم سے آج تک اس علاقے کو مختلف ناموں سے موسوم کیا گیا ہے اور مختلف ادوار میں نام بگڑتے اور معدوم ہوتے گئے ہیں۔اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ علاقہ مختلف قوموں کا سنگم ہونے کے ناطے مختلف ادوار میں مختلف قوموں کی نسبت سے پہچانا گیااور اس علاقے کا حدود اربعہ بھی بڑھتااور سکڑتا گیا۔

اس علاقے کی قومی تاریخ ابھی متنازعہ اور ترتیب پانے کے عمل سے گزر رہی ہے۔ اصل حقائق کا ادراک ابھی نہیں۔ ماضی پر ایک ہلکی سی روشنی پڑتی ہے لیکن حقیقت معلوم کرنے میں ابھی وقت لگے گا۔اس سلسلے میں غیر ملکی اور خصوصاً مغربی سیاحوں اور تاریخ دانوں پر زیادہ انحصار کیا جاتا ہے حالانکہ ان کی فراہم کردہ بہت سی معلومات حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لوگ مقامی زبانوں اور تہذیب سے ناواقف تھے اور انہوں نے بھی محض مقامی بڑے بوڑھوں سے پوچھ کر معلومات حاصل کیے ہیں۔ ہمارے بزرگ بھی حقائق پر مبنی بیان دینے کے بجائے زمینی حقائق کو مافوق الفطرت اور تصوراتی دنیا سے جوڑ کر بیان کرتے ہیں۔ جس کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً ان کا کوئی بزرگ پہلوان ہو تو وہ اس کو دیوزاد قرار دیکر وہم وگمان پر مشتمل خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ اس طرح حقیقی تاریخ مرتب نہیں ہو سکتی۔ دوسری طرح قبائلی ذہن کی وجہ سے خودستائی کا رواج ایسا ہے کہ دوسرے کو گرا کر پیش کرنااور اپنی حیثیت بڑھا کر پیش کرنا عام سی عادت ہے۔ جس سے حقیقت سامنے نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مقامی اور خصوصاً مغربی سیاحوں اور

محققین کی تحریروں میں بھی بہت سی لغویات اور غیر حقیقی باتیں شامل ہیں۔ ان باتوں کا تعلق زیادہ تر انسانوں سے حاصل کی گئی معلومات سے ہیں۔

علاقے کی تاریخ بھی مختلف تہوں میں اس طرح دبی ہوئی ہے کہ دانشوروں کیلئے کافی مشکلات ہیں۔ اس علاقے کی تاریخ مرتب کرنے کیلئے ضروری ہے کہ مقامی دانشوروں پر ہی اکتفا کیا جائے جو مقامی زبانوں، علم بشریات اور آثار قدیم کے ماہرین ہو اور دانشوروں کا بھی ایک باقاعدہ کمیشن ہونا چاہئے۔

یہ اس لئے ضروری ہے کہ ہمارے ہاں اہل دانش کا معیار باقی دنیا کے برابر اب بھی نہیں۔ اس کمی کی وجہ سے دستیاب دانشور بھی تھوڑی بہت کاوش کرتے ہیں تو اس میں بھی تعصبات اور خود نمائی کا جذبہ نمایاں ہوتا ہے جس سے اچھی تخلیقات کے بجائے تنازعات سامنے آتے ہیں۔ اس علاقے کی حقیقی اور نمائندہ تاریخ مرتب کرنے کیلئے پہاڑی چٹانوں، پتھروں، قدیم ناموں اور تہذیب و تمدن اور رسوم و رواج کے علامات، نشانات اور ناموں کی شہادتیں پیش کرنا ہوگی۔ لوگوں سے زیادہ مادی اشیاء، پتھروں اور چٹانوں سے حقیقت پوچھنا ہوگا۔ ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ مستقبل قریب میں ہماری قومی تاریخ مرتب ہوگی۔ کیونکہ اس وقت معاملات تضادات اور تنقید کے مراحل سے گزر رہے ہیں۔ فی الحال ہم یہاں جو نام اور ان کا پس منظر پیش کر رہے ہیں۔ وہ تقریباً متفق علیہ ہیں۔ ان کے حقائق واضح ہے متنازعہ معاملات کو بحث کیلئے چھوڑا جا رہا ہے یا پھر فی الحال ترک کیا گیا ہے۔ اپنایا نہیں گیا۔

جب ہم اس علاقے کی تاریخ پر بحث کا آغاز کرتے ہیں تو سب سے پہلے جب یہاں بروشسکی بولنے والے لوگوں کی آبادی پورے علاقے میں پھیلی اور ایک باقاعدہ

تہذیب وثقافت کے ساتھ مملکت وجود میں آئی تو یہ علاقہ ''بروشال'' کہلانے لگا۔ آثار وقرائن اور تاریخی شہادتیں یہ بتاتی ہیں کہ بروشال میں جنوب کی طرف داریل، ہوڈور، کھیز، غور اور استور سے شمال میں گوجال تک مشرق میں شگرورونڈو سے مغرب میں مستوج، یارخون تک تمام علاقے شامل تھے۔

بروشال حضرت عیسیٰؑ سے قبل کی بات ہے۔ جو اس علاقے کی دست یاب پہلی باقاعدہ ریاست ہے۔ بروشال سے بھی قبل اگرچہ یہ علاقہ آباد ہوگا لیکن اس کے بارے میں معلومات دست یاب نہیں۔

بروشال کے بعد اس علاقے کی باضابطہ مملکت بلور، بلورستان یا بالاورستان ہے لیکن گمان غالب ہے کہ بروشال کے بعد دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ آنے والے آریہ کے زیر اثر تہذیب نے جگہ لی۔ اس لئے کہ بروشو کو شینا بولنے والے یا شینا زباں کی ماں ''پشاچہ'' نے متاثر کیا۔ پشاچہ آریہ زباں کی وہ شاخ ہے جو دریائے سندھ کے ساتھ شمال کی طرف آئے ہوئے آریہ بولتے تھے۔ لہٰذا ہم بروشال کے بعد بلور، یا بالاورستان کی نہیں بلکہ آریہ کی بات کرینگے۔ بعض تاریخ دانوں نے انہیں ''درد'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔

درد اور دردستان اگرچہ متنازعہ موضوعات رہے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ بروشسکی کو شینا زباں کی ماں پشاچہ بولنے والوں نے متاثر کیا اور بروشسکی زبان نے پشاچہ کو متاثر کیا اور نئی اور جدید زبان وجود میں آئی۔ جو موجودہ شینا زبان ہے۔

شینا بولنے والوں کو بہت سے محققین نے درد کہا ہے۔ اور ایسے محققین بھی ہے جن کے نزدیک درد اس علاقے کی نسبت سے کوئی شے نہیں۔

بیشتر محققین کا کہنا ہے کہ شینا، کھوار، کالاش، کوہستانی اور کشمیری زبانیں بولنے والے درد ہے۔

مذکورہ زبانوں کے حامل لوگ درد ہو یا نہ ہو یہ حقیقت ہے کہ مذکورہ تمام زبانیں پشاچہ سے وجود میں آئی ہے۔ بعض نے کشمیریوں کے علاوہ باقی لوگ بھی یعنی شینا، کوہستانی، کھوار اور کالاش کو ورد کہا ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ شینا بولنے والے آریہ ہے۔ بعض نے آریہ ہی کو ورد کہا ہے۔ اور بعض نے درد اصل میں ہندوستان کے قدیم باشندے دراوڑ سے مشتق قرار دیا ہے۔ جبکہ دراوڑ آریہ نہیں ہے۔ ایک شبہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ درد کمین قبائل ہو چونکہ ہندوستان میں بھی آریہ نے دراوڑ کو متاثر کر کے جنوب کی طرف دھکیلا۔ دراوڑ اور کمین قبائل میں بعض صفات مماثلت بھی رکھتی ہے ہو سکتا ہے پشاچہ بولنے والے آریہ انڈس کوہستان کے درد (کمین) کو بھی ہندوستان کے دیگر علاقوں کی طرح متاثر کیا ہو۔ کمین قبائل کے اپنے کسی زبان کا پتہ نہیں چلتا ہے دوسری طرف بعض محققین نے شینا بولنے والے تمام کو درد کہا ہے تو بعض نے صرف "شین" قبائل کو درد کہا ہے۔

اس مختصر سی بحث کے بعد ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انڈس کوہستان کے علاقے میں درد قبائل کا وجود ہے خواہ وہ شینا، کوہستانی اور دیگر زبانیں بولنے والے لوگوں پر مشتمل ہو یا محض شینا بولنے والوں شین، یشکن، کمین، ڈوم وغیرہ پر مشتمل ہو یا پھر محض شین ہی ہو یا کمین۔ اس لئے ہم دریائے سندھ کی وادی میں بسنے والے لوگوں کو درد ہی کہیں گے۔ انہی دردوں نے جنوبی برشال کا علاقہ متاثر کیا۔

بروشال جو تبت اور بدخشاں کے درمیان واقع تھا۔ جس کا ذکر تبت کی ڈکشنری میں اس طرح کیا گیا ہے کہ بروژا۔ بروشایا (BROZA= A country in between Tibet and Persia) بروشال تبت اور پرشیا (فارستان) کے درمیان ایک ملک کا نام ہے یہاں تبت سے مراد بلتستان ہے اس لئے کہ لداخ بلتستان تبت خورد تھا اور تبت کا حصہ تھا۔ تاہم جغرافیائی طور پر لداخ بلتستان، تبت سے کٹا ہوا ہے۔ اور اس کی وحدت بالکل جدا ہے۔ جو بلور کے نام سے تبت اور چین میں جانا جاتا ہے۔ اور فارسی عربی بولنے والے بالاور کہتے ہیں۔ اس طرح یہاں پرشیا سے مراد ایران نہیں بلکہ بدخشان اور تاجکستان ہے۔

سندھ کے ساتھ آئے ہوئے آریہ (دردوں) نے بروشال کے جنوبی علاقوں کو بھی ملا کر ایک نئی تہذیب یا وحدت تشکیل دی جسے دردیسا یا دردستان کہلانے لگا۔ اگرچہ دردستان باضابطہ ملک یا حکومت نہیں رہی بلکہ انسانوں کے چھوٹے چھوٹے جتھوں پر مشتمل ایک خطہ تھا۔ بروشال اور دردستان کا کشمکش کتنا عرصہ رہا یہ نہیں معلوم تاہم پانچویں صدی عیسوی میں تبت خورد لداخ و بلتستان میں بلوریا بلوزیا بولویا پلویا بالاور کے نام سے ایک مملکت وجود میں آئی۔ اسی مملکت نے گلگت اور چترال کو متاثر کیا اور یہ علاقے بلوریا بلوزیا بالاور خورد کہلانے لگے۔ اس طرح لداخ سے چترال تک ایک مکمل وحدت پھر وجود میں آیا۔

پلو، بلور، بلوز، بولو، پولویا بالاور کہنے والے تبتی اور چینی اور دیگر ہمسائے تھے۔

بلور کیا ہے؟ یہ تاریخ دانوں کے درمیان کافی متنازعہ معاملہ ہے۔ بعض کے نزدیک بلور دراصل پلو ہے جو بلتیوں کیلئے ہمسائے استعمال کرتے ہیں۔ شینا بولنے

والے تبتّی و چینی بلتیوں کو پلو کہتے ہیں، بروشسکی بولنے بلوز۔ بعض محققین کے نزدیک یہ لفظ دراصل جنوبی و وسط ایشیائی زبانوں میں بالاور ہے۔ جس کا مطلب خطہ بالا کے باشندے یعنی اونچے علاقوں میں رہنے والوں کے ہیں۔ بعض نے اسے بولر بھی لکھاہے ان تمام ناموں پر آگے چل کر بحث کرینگے۔

آٹھویں صدی عیسوی میں بلورستان یا بالاورستان ٹوٹ گیااور یہیں سے اس علاقے میں ایک لمبے عرصے کے لئے اندرونی خلفشار اور ٹوٹ پھوٹ کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا نتیجتاً چھوٹی چھوٹی اکائیاں وجود میں آئیں۔ کوئی متحدہ حیثیت نہ بن سکی حکمرانوں کے اختلافات کی وجہ سے آپس میں ہمیشہ دست و گریباں رہے۔ ہر چھوٹی اکائی نے اپنی الگ پہچان کرائی اور ہمسایہ اکائی کو بطور دشمن جانا۔ وطن عزیز نہ صرف اپنا متحدہ وجود کھو بیٹھابلکہ اپنانام بھی بھلا بیٹھا۔

اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بیرونی طاقتوں نے اس علاقے میں قسمت آزمائی کی کبھی چین اور تبت سے حملے کبھی پامیر اور بدخشاں سے حملے اور کبھی کشمیری جارحیت کا یہ علاقہ نشانہ بنتا رہا۔ بیرونی حملوں کی صورت میں بعض اکائیاں مشترکہ دفاع کی بھی کوشش کرتی رہی۔ بعض مرتبہ بیرونی حملہ آوروں کو منہ کی کھانی پڑی۔ اور بعض اوقات وہ کامیاب بھی ہوئے۔ انیسویں صدی عیسوی میں کشمیر کے ڈوگرہ حکمرانوں نے باقاعدہ اس علاقے کو ہضم کرنے کیلئے جدوجہد کی کیونکہ اس دوران ہندوستان کی انگریز حکومت کو بھی اس بات کی ضرورت تھی کہ روس اور چین کے ہمسایہ علاقوں کو انگریز حکومت کے براہ راست زیر نگین کیا جائے۔ ڈوگرہ لداخ بلتستان پر پہلے ہی قبضہ جما چکے تھے۔ 1842ء میں گلگت پر بھی قبضہ کرنے میں

کامیاب ہوگئے۔ انیسویں صدی کے آخر تک ان کی فتوحات چترال تک پہنچ گئی۔

چترال تک کے علاقے ڈوگرہ سکھ اور انگریز فوجوں کی مشترکہ کوششوں سے فتح ہوئی۔ ان بیرونی قوتوں کے خلاف یہاں کے لوگوں نے حتی الامکان دفاع کی۔ لیکن کامیابی ممکن نہیں ہوئی۔ مثلاً بھوپ سنگھ پڑی کے معرکے 1891ء میں نلت (نگر) کا معرکہ اور 1892ء میں موڈوری (یاسین) کا تاریخی معرکہ نہایت ہی اہمیت کے حامل ہے۔ ڈوگرہ حکمرانوں نے اس علاقے کو کشمیر کا جبری حصہ بنادیا اس کے فوراً بعد بیسویں صدی کی پہلی دھائی میں ہی چترال نے ڈوگروں سے واپس آزادی چھین کر الگ سے انگریزوں کی بالادستی قبول کرلی۔ تاہم لداخ بلتستان اور گلگت جموں کشمیر کا جبری حصہ بن گیا۔ گوپس، یاسین اور اشکومن چترال کے سابق حصوں کو بغاوت کے بدلے چھینے گئے اور شندھور کو سرحد تسلیم کرلیا گیا۔ اس طرح ریاست کا سرکاری نام جموں و کشمیر کے بجائے جموں و کشمیر و تبت ہوگیا۔ چونکہ لداخ بلتستان کی نسبت سے یہ علاقہ کشمیریوں کے نزدیک تبت ہی کہلاتا تھا عوامی سطح پر لفظ تبت کا استعمال زیادہ نہیں رہا۔ یہ علاقہ لداخ بلتستان اور گلگت کے ناموں سے ہی مشہور رہا جموں و کشمیر کی ریاست میں اس علاقے کی خصوصی حیثیت تھی۔ جب کہ 1935ء کو انگریزوں نے سندھ پار گلگت کا علاقہ 60 سال کیلئے براہ راست اپنے تحویل میں لیکر برٹش ایجنسی بنادیا لیکن 1947ء میں ہی مہاراجہ کشمیر کو واپس کردیا۔ لداخ بلتستان اور گلگت کے لوگ ڈوگروں سے آزادی کیلئے کوشاں رہتے تھے۔ لیکن ان کو کوئی مناسب موقع میسر نہیں آرہا تھا۔ 1947ء میں جب انگریز برصغیر چھوڑ کر جارہا تھا اور قیام پاکستان عمل میں آیا تو ان لوگوں کے لئے آزادی حاصل کرنے کا ایک سنہرا موقع ہاتھ آیا۔ ان

حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گلگت اسکاؤٹس اور کچھ مقامی باشعور لوگوں نے ڈوگرہ مہاراجہ کے خلاف بغاوت کی اور یکم نومبر 1947ء کو ڈوگرہ حکومت کے گورنر کو گرفتار کر کے اپنی ریاست قائم کرلی اور آزاد حکومت کا اعلان کیا۔ جو پندرہ نومبر 1947ء تک قائم رہی۔ مہاراجہ کشمیر کے بھارت سے الحاق اور مدد کی درخواست نے اس علاقے کی آزادی کو خطرے میں ڈالی ہوئی تھی نیز استور بلتستان اور لداخ کی آزادی بھی لازمی تھی۔ مقبوضہ علاقوں کی آزادی اور اپنے وجود کو برقرار رکھنے کیلئے لازمی تھا کہ حکومت پاکستان سے مدد طلب کی جائے۔ چنانچہ گلگت کی حکومت نے حکومت پاکستان سے مدد کی درخواست کی حکومت پاکستان نے درخواست منظور کر کے اپنا نمائندہ گلگت بھیجا۔ حکومت پاکستان کے نمائندے نے اختیارات حاصل کر کے گلگت کی ریاست ختم کردی اور دوبارہ ایجنسی کی حیثیت بحال کی اور ساتھ ہی استور، بلتستان اور لداخ کی آزادی کی جنگ شروع کی گئی۔ ایک سال جاری رہنے والی جنگ میں لگ بھگ 45 ہزار مربع میل رقبہ آزاد کرایا گیا جس میں استور، بلتستان اور بیشتر لداخ کے علاقے شامل تھے۔ بعد ازاں 17 ہزار مربع میل کے لگ بھگ علاقہ دوبارہ ہندوستان کے قبضے میں چلا گیا۔ جس میں کرگل، دراس، گریز اور زانسکار کے علاقے شامل ہیں۔ 1949ء کے شروع میں جب جنگ بند ہوگئی تو 28 ہزار مربع میل رقبہ آزاد تھا جس پر مشتمل ایک اکائی گلگت بلتستان کے نام سے قائم کیا گیا۔ بعد ازاں گلگت بلتستان کے بجائے شمالی علاقہ جات کی اصطلاح رائج کیا گیا۔

شمالی علاقہ جات کا لفظ اسم نکرہ ہے اسم معرفہ نہیں۔ جس سے کسی علاقے کی الگ شناخت اور قومی پہچان ممکن نہیں اس وقت یہ علاقہ تین قوتوں کے بیچ متنازعہ ہے۔

جموں وکشمیر کے حوالے سے بھارت کا اس پر دعویٰ ہے۔ حکومت پاکستان اس علاقے کو اپنا حقیقی شہ رگ سمجھتی ہے اور براہ راست اپنے زیر انتظام رکھا ہوا ہے۔ اور تیسری طرف آزاد جموں و کشمیر کی نیم خود مختار حکومت بھی اس علاقے کو اپنا لازمی حصہ سمجھتی ہے۔ اسم معرفہ نہ ہونے کی وجہ سے ہر فریق اسے اپنا شمالی علاقہ سمجھ رہا ہے۔ اس علاقے کے لوگوں کی اپنی کوئی حیثیت نہیں نہ ہی ان کے جذبات و احساسات کو کوئی اہمیت دیتا ہے بلکہ باہر باہر ہی اس علاقے کی قسمت کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب محسوس کیا جا رہا ہے کہ اس علاقے کا سب سے اہم مسئلہ اس علاقے اور یہاں بسنے والے لوگوں کے امنگوں کے مطابق شناخت، قومی نام اور حیثیت ہو۔

اگرچہ حکومت پاکستان کی اس بات سے دلچسپی ہے کہ شمالی علاقہ جات مسئلہ کشمیر سے جڑا ہوا ہونے کے باوجود الگ حیثیت کا حامل ہو تاکہ کشمیر کا فیصلہ ان کے حق میں نہ ہونے کی صورت میں ان علاقوں کو بچایا جا سکے اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ حقیقی معنوں میں کشمیر سے الگ تعارف کرایا جائے۔ اگر مسئلہ کشمیر کی وجہ سے ان کی حیثیت تبدیل نہیں کی جا سکتی تو کم از کم ان علاقوں کی الگ قومی تشخص کو اجاگر کر کے دنیا کو بتا دیا جائے۔ کہ ان علاقوں کی حیثیت کشمیر جیسی ہے کشمیر کا حصہ نہیں۔ یہ بات اس وقت ممکن ہے کہ ان علاقوں کی انتظامی حیثیت کی طرح سیاسی حیثیت بھی ہو اور الگ قومی نام بھی۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہے کہ اس علاقے کی اکثریت بھی خود کو کشمیر کا حصہ نہیں سمجھتی بلکہ الگ قومی حیثیت کی حامی ہے۔

حکومت پاکستان خود اپنے مفاد میں بھی یہ بات تسلیم کر سکتی ہے کہ لداخ گلگت بلتستان ایک الگ حیثیت کے حامل علاقہ ہے جو جموں و کشمیر کی طرح بھارت اور پاکستان کے درمیان متنازعہ ہے لیکن جموں و کشمیر کا لازمی حصہ نہیں۔ ان علاقوں کو محض شمالی علاقہ جات کہنے سے حکومت پاکستان کے یہی بنیادی مفادات پورے نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر حکومت پاکستان ان علاقوں کو جموں و کشمیر کے ساتھ ہی رکھنا چاہتی ہے تو بغیر لگی لپٹی علاقے کو جموں و کشمیر کیلئے خود کو دست بردار کر لے تاکہ یہاں کے لوگ یکسوئی سے اپنے مستقبل کے بارے میں غور کر سکیں۔

حکومت پاکستان کا یہ دھرا موقف کی ایک طرف کشمیر کا حصہ قرار دینا اور دوسری طرف پاکستان کا لازمی حصہ جتانا زبردست دھوکے کے موجب بنتا ہے۔

دوسری طرف بھارت سیدھے سیدھے اس علاقے کو کشمیر کا حصہ سمجھتا ہے اور جب بھارت پاکستان سے کہتا ہے کہ مقبوضہ کشمیر خالی کرے تو ان کے ذہن میں مظفر آباد اور میرپور کم گلگت بلتستان کا وسیع اور اہم علاقہ زیادہ ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں پاکستانی یہ کہہ کر مطمئن ہوتے ہیں کہ بھارت مقبوضہ کشمیر سے مراد آزاد کشمیر کی پٹی لیتا ہے گلگت بلتستان نہیں۔

یہ خوش فہمی اپنے آپ سے ایک کھلا دھوکہ ہے۔ جس کی مثال ایسی ہے جیسے ”خطرے کی صورت میں شتر مرغ اپنا سر ریت میں دبا کر آنکھ بند کر کے سمجھتا ہے کہ وہ محفوظ ہے۔“ ہمیں حقائق کا سامنا کرنا چاہئے تاکہ نتائج بہتر ہو۔

اس تاریخی جائزہ سے جو نام زیر بحث آئے ان میں ۱۔ بروشا یا بروشال ۲۔ دردیسا یا دردستان ۳۔ پلو یا بلور یا بلوز یا بولر یا بالاور یا بلورستان یا بالاورستان

۴۔ گلگت بلتستان ۵۔ شمالی علاقہ جات (جہاں تک تبت کی ضمناً بات آئی تھی وہ محض جموں و کشمیر کی حکومت نے ایک مخصوص دور کیلئے استعمال کیا تھا جس کی کوئی اہمیت نہیں۔ تبت ہندوستان کی سرحد کے ساتھ چین کا نیم خود مختار علاقہ ہے)

اس علاقے کی جغرافیہ کو دیکھا جائے تو یہ دنیا کے مشہور و معروف سلسلہ ہائے کوہ پر مشتمل ہیں۔ دنیا کے تین عظیم سلسلہ ہائے کوہ ہمالیہ، قراقرم اور ہندوکش کا سنگم یہ علاقہ ہے۔ تینوں پہاڑی سلسلوں کا حقیقی سنگم بونجی کے نزدیک ہے۔

(واضح رہے کہ آنے والے جملوں میں دائیں اور بائیں کا تصور دریا جس سمت میں بہتا ہے اس سمت کے مطابق دریا کا دایاں اور بایاں کنارہ ہے۔ گویا سمتوں کے تعین کیلئے اپنے سفر کے بجائے دریا کے بہاؤ کو مدِ نظر رکھا جائے۔)

بونجی سے شمال مشرق کی طرف دریائے سندھ کے دائیں طرف گول تک اور گول سے دریائے شیوک کے دائیں طرف آخر تک سلسلہ کوہ قراقرم ہے۔ بونجی سے مغرب کی طرف دماس تک دریائے گلگت اور داماس سے قرمبر تک دریائے اشکومن کے بائیں طرف ہنزہ، نصف پونیال، نصف اشکومن، نصف روندو، نصف سکردو، شگر، مشہ بروم اور نصف خپلو سلسلہ قراقرم میں آتا ہے۔ شمالی علاقہ جات سے باہر اکسائے چن اور لداخ کا کچھ شمالی حصہ قراقرم میں واقع ہے۔ جبکہ چینی ترکستان کا علاقہ شنجیانگ اور تبت کا کچھ علاقہ بھی قراقرم میں واقع ہے۔ قراقرم ترکی زبان کی شاخ اُئیغور کا لفظ ہے۔ جس کا مطلب کالے پہاڑ ہیں اور یہ سلسلہ زیادہ تر انہی اُئیغور علاقوں میں ہے۔

بونجی سے داماس تک دریائے گلگت کے دائیں طرف داماس سے قرمبر تک

دریائے اشکومن کے دائیں طرف اور بونجی سے نیچے دریائے سندھ کے دائیں طرف کوہستان تک تمام علاقہ کوہ ہندوکش کا حصہ ہے۔ اس طرح سلسلہ ہندوکش میں نصف گلگت، نصف چلاس، داریل، تانگیر، نصف پونیال، نصف اشکومن، یاسین اور گوپس واقع ہے۔ اس علاقہ سے ملحقہ پورا چترال اور نصف کوہستان بھی ہندوکش میں آتا ہے یہاں سے باہر ہندوکش سلسلہ پامیر، افغانستان اور بحیرہ کیپین تک وسطی ایشائی ملکوں میں پھیلا ہوا ہے۔

بونجی سے نیچے دریائے سندھ کے بائیں جانب کا علاقہ اور بونجی سے شمال مشرق کی طرف گول تک دریائے سندھ کے بائیں جانب اور گول سے آگے دریائے شیوک کے بائیں جانب علاقہ کوہ ہمالیہ میں شامل ہیں۔ اس طرح نصف چلاس، استور، نصف روندو، نصف سکردو، دیوسائی، کھرمنگ اور نصف خپلو سلسلہ ہمالیہ میں واقع ہے۔ بیشتر لداخ کوہ ہمالیہ ہی میں واقع ہے۔ اور یہ سلسلہ آگے کشمیر تبت اور شمالی ہندوستان سے ہوتا ہوا نیپال، بھوٹان اور شمال مشرقی ہند تک پھیلا ہوا ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو اس علاقے کا تینوں سلسلہ ہائے کوہ برابر برابر حصہ گھیرتے ہیں۔ اور اس علاقے کی انتہائی اہمیت ہی انہی سلسلوں کی وجہ سے ہیں۔

گویا ہمارے لئے تینوں سلسلہ ہائے کوہ کی اہمیت برابر ہے۔ اور کوئی ایک بھی دوسرے سے غیر اہم نہیں۔ ہمالیہ، قراقرم اور ہندوکش کا اس علاقے سے تعلق ہے لیکن یہی سلسلہ ہائے کوہ اس علاقے سے باہر بہت وسیع علاقوں پر مشتمل ہیں اس لئے کوئی بھی ایک سلسلہ نہ تو اس علاقے کو پوری طرح گھیرتا ہے اور نہ ہی کوئی ایک سلسلہ کا تعلق محض اس علاقے سے ہے۔

لسانی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو علاقے کا ایک بڑا حصہ شینا زبان بولنے والوں پر مشتمل ہے۔ دوسرے نمبر پر بلتی اور موجودہ علاقوں میں تیسرے نمبر پر بروشسکی اور چوتھی بڑی زبان کھوار ہے۔ جبکہ وخی زبان بھی شمال کی طرف قابل لحاظ آبادی بولتی ہے۔ اس کے علاوہ گوجری سمیت کئی ایک علاقائی زبانیں بھی بولی جاتی ہیں۔

مندرجہ بالا تمام زمینی حقائق کو مدِ نظر رکھا جائے تو مندرجہ ذیل نام زیر بحث آتے ہیں۔

۱۔ بروشال یا بروژا ۲۔ دردیسا یا دردستان

۳۔ بولر یا بولوریا پلو یا بلوریا یا بلوزیا یا لاوریا لاحقے ملا کر بلورستان یا یالاورستان

۴۔ گلگت بلتستان ۵۔ شمالی علاقہ جات ۶۔ ہمالیہ

۷۔ قراقرم ۸۔ ہندوکش ۹۔ شینا کی، بلتستان اور کھوار گھوم زبانوں کی نسبت سے نام بن سکتے ہیں لیکن یہ تمام نام قطعاً جزوی ہیں۔ انہیں بطور قومی نام زیر بحث لانا ضروری نہیں۔

۱۰۔ پہاڑوں کی نسبت سے یہ علاقہ منسوب کیا جا سکتا ہے اس سلسلے میں کوہستان، کوہسار وغیرہ نام بن سکتے ہیں۔ کوہستان پہلے سے ایک ضلع کا نام ہے جو اس علاقے اور سرحد کے درمیان متنازعہ ہے۔ جسے قومی نام بنانا ممکن نہیں۔

اب ہم ان تمام ناموں کو اختصار سے زیر بحث لاتے ہیں۔

۱۔ بروژا یا بروشال:

اس علاقے سے باہر کے لوگوں نے اسے بروژا کہا ہے۔ حقیقتاً یہ بروشال ہے۔ جس کا مطلب بروشسکی بولنے والے والوں کا وطن ہے۔ اس لئے ہم بروشال کو ہی

اصل تلفظ قرار دینگے۔ کسی زمانے میں بروشال کا لفظ بیشتر خطے کی نمائندگی کرتا تھا جو اب محض ایک جز کا نام ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ بروشال حقیقی معنوں میں ہنزہ، نگر اور یاسین تک محدود ہو چکا ہے۔ اگر قدیم بروشال کے دیگر باشندے یشکن کو بھی بروشو سمجھا جائے تو بھی داریل استور سے شمال کی طرف اور روندو سے مغرب کی طرف شمالی چترال تک یہ مناسب نام ہے لیکن لداخ بلتستان و جنوبی دیامر و کوہستان اور بیشتر جنوبی چترال اس کا حصہ نہیں لہٰذا یہ نام قومی نام نہیں بن سکتا ہے یہ کسی ذیلی اکائی کا نام مناسب ہے۔

۲۔ دردیسا یا دردستان :

شینا بولنے والے تمام قبائل کو اگر درد سمجھا جائے تو یہ نام بہت بڑے علاقے کی نمائندگی کر سکتا ہے لیکن قومی نام پھر بھی ممکن نہیں اس لئے کہ لداخ بلتستان اور بروشکی علاقہ دردستان کی قطعاً متضاد ہے نیز شین کے علاوہ دیگر قبائل یشکن وغیرہ کا درد ہونا بھی یقینی نہیں۔ کیونکہ محققین کے نزدیک یشکن اصل میں بروشو ہیں کھوار اور کالاش بھی درد کے حوالے سے متنازعہ ہیں۔ اس لحاظ سے دردستان یا درد جنوبی دیامر اور کوہستان وادی تک محدود ہوتا ہے جو کہ قومی نام ممکن نہیں تاہم دردستان ایک ذیلی اکائی کا نام مناسب ہے۔

۳۔ بلور، بلوز، پلو، بولر، بالاور، بلورستان یا بالاورستان :

عام طور پر لوگوں میں بلور اور بلورستان کو بڑے اہتمام سے متعارف کرایا گیا ہے۔ حالانکہ تاریخ دانوں نے اس نام کے اور بھی کئی تلفظ کئے ہیں۔ بعض نے بولر بعض نے بولور یا بلور اور بعض نے پلو لکھا ہے۔ اور بعض محققین نے اسے بالاور کہا ہے

اسی نسبت سے ستان کا لاحقہ لگا کر بعد میں بلورستان اور بالاورستان بنائے گئے ہیں۔
جس طرح تلفظ میں تضاد ہیں اس طرح اس کے معنی میں بھی محققین کی مختلف رائے ہیں۔ اس نام کے سلسلے میں دو شبہات زیادہ اہم ہے۔ بلور، بولر یا بولور کہنے کے پیچھے لفظ پلو اور بلوز ہے چونکہ چینی تبتی اور شینا بولنے والے بلتی اور لداخی کو پلو اور بلتستان کو پلے کہتے ہیں۔ اس طرح بروشسکی میں بلتی کو بلوز کہا جاتا ہے۔ پلو یا بلوز ہی مختلف لوگوں کی زبانوں سے مختلف تلفظ ادا ہوئے ہیں۔ اس طرح بلو کا یہ لفظ بلور اور ستان کا لاحقہ ملا کر بعد میں بلورستان کے نام سے موسوم ہوا ہے۔ لداخ بلتستان چونکہ اصل پلو یا بلوز (بلور) ہونے کے ناطے پلو یا بلوز (بلور) کلاں اور گلگت چترال پلو یا بلوز (بلور) خورد مشہور ہوئے۔ گویا بلور، بلوز اور پلو کی نسبت سے بلتستان یا لداخ بلتستان کا نام ہے۔ زمانہ بلور کا مرکز بھی بلتستان ہی تھا۔
محققین کا دوسرا شبہ یہ ہے کہ بولر یا بولور یا بلور دراصل فارسی نیز جنوبی و وسطی ایشیائی زبانوں کا لفظ "بالاور" ہے۔ جسکا مطلب خطہ بالا میں رہنے والے لوگ یا اونچے علاقوں میں رہنے والی قوم ہے۔ اور بالاور قوم کی نسبت سے وطن کا نام بالاورستان، بہت سے محققین کا اس بات پر اتفاق ہیں۔

بالاور اور بالاورستان عام استعمال میں بلور اور بلورستان بن گئے۔ جغرافیائی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ علاقہ اپنے ہمسایوں بلکہ ایشیا اور پوری دنیا میں ایک اونچا علاقہ ہے۔ یعنی یہ علاقہ پاکستان نیز پورے برصغیر بلکہ براعظم ایشیا اور دینا کا خطۂ بالا ہے۔ کیونکہ نیپال (ماؤنٹ ایورسٹ) کے بعد K-2 کے لحاظ سے یہ خطہ دنیا کا سب سے اونچا خطہ ہے۔

بشمول K-2، ننگا پربت دنیا کی پانچ بلند ترین چوٹیاں یہیں واقع ہیں جن کی بلندی آٹھ ہزار میٹر سے زائد ہے۔ انتیس بلند ترین چوٹیاں جن میں راکاپوشی اور ترچمیر وغیرہ شامل ہیں یہی واقع ہیں جن کی بلندی سات ہزار پانچ سو میٹر ہیں۔ 108 بلند ترین پہاڑی چوٹیاں بھی یہی ہیں جو سات ہزار میٹر بلند ہیں۔

بعض اطلاعات کے مطابق K-2 کو ماؤنٹ ایورسٹ سے بھی اُونچی چوٹی سمجھا جارہا ہے جس کی ابھی تصدیق نہیں۔

اس علاقے کی ایک انفرادی خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ علاقہ دنیا کے تین عظیم سلسلہ ہائے کوہ ہمالیہ، قراقرم اور ہندوکش کا سنگم ہے۔ قطب جنوبی وشمالی کے بعد دنیا کے سب سے بڑے گلیشر یہی واقع ہیں۔ یہ سب خطۂ بالا یعنی اپنی اونچائی کی وجہ سے ہے۔ یہاں کے رہنے والے لوگ خواہ جو بھی زبان بولنے والے ہوں یا کسی بھی نسل سے تعلق رکھتے ہو "بالاور" ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ بالاور کی صفت اس علاقے میں دوسری صفات سے قومی سطح پر زیادہ مشترک، اہم، نمایاں اور نمائندہ ہے۔ بالاور کی صفت تمام دیگر صفات شینا، درد، بروشو، بلتی، کھوار، وخی، لداخی، کوہستانی، قراقرم، ہندوکش، ہمالیہ سب کیلئے مشترک اور غیر متنازعہ ہے جو آسانی سے ان تمام کو ایک لڑی میں پرو سکتی ہے۔ جبکہ اسی نام کی اول الذکر شبہ پلو، یا بلور وغیرہ میں یہ خصوصیت موجود نہیں ہیں۔ جس طرح ہم بالاور سے تمام علاقے کو مخاطب کرسکتے ہیں۔ بلور سے ہم محض بلتستان یا لداخ بلتستان کو منسوب کر سکتے ہیں۔ بلور کا لفظ بیلاور تلفظ میں خوبصورت اور صاف و شفاف کے معنوں میں لیا جاسکتا ہے لیکن تاریخ میں اس صفت پر کسی نے توجہ نہیں دی ہے۔

۴۔ گلگت بلتستان :

گلگت بلتستان بھی اس علاقے کیلئے سرکاری نام استعمال ہوتا رہا ہے۔ بعض لوگ اس نام کو قومی نام مناسب سمجھتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ گلگت غذر اور دیامر کیلئے گلگت کا نام مناسب ہے۔ اور بلتستان از خود ایک ٹھوس وحدت ہے لہٰذا ان ناموں کا مرکب ایک قومی نام ہو سکتا ہے۔ دیکھا جائے تو گلگت بلتستان کا لفظ ایک قومی نام نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں ایک قوم اور سیاسی اکائی کا وجود نہیں بلکہ دو قوموں اور اکائیوں کا اتحاد نظر آتا ہے۔ گلگت اور بلتستان کی علیحدہ علیحدہ نشاندہی کرنا قومی اتحاد کو نقصان کے باعث ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف گلگت کے ارد گرد کے اضلاع اور علاقے خود کو محض گلگتی کہلانے سے بھی کتراتے ہیں۔ اُن کی الگ پہچان موجود ہیں۔ کیونکہ ہنزہ، نگر اور خصوصاً اضلاع دیامر اور غذر کے لوگ خود گلگت کے مساوی پہچان کے حامل سمجھتے ہیں۔

سب سے بڑی بات یہ کہ اس قوم کے حامل لوگ گلگت اور بلتستان سے ملحقہ لداخ، چترال اور کوہستان میں بھی آباد ہیں۔ ان تمام علاقوں پر ایک قوم ہونے کے ناطے ایک وحدت کا دعویٰ ہے لہٰذا گلگت بلتستان کے نام پر ہم لداخ، چترال اور کوہستان پر دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں۔

گلگت بلتستان بھی شمالی علاقہ جات کی طرح ایک عارضی نام ہے اس علاقے کیلئے ایسا اسم معرفہ لازمی ہے جو تمام علاقے کو ایک صفت کے تحت متحد کرے۔ ناموں کے مرکب کسی نہ کسی مقام پر وطن توڑنے کے موجب بنتے ہیں۔ لہٰذا ایسے ناموں سے احتراض کرنا چاہئے۔ گلگت اور بلتستان کو ملا کر ایک مصنوعی نام گلستان تجویز کیا

جاسکتا ہے۔

گ ل گلگت سے ہے باقی ہے بلتستان سے   کچھ کم نہیں ہے یہ حسین گلستان سے

گلستان لفظ مصنوعی ہونے کے ساتھ صرف گلگت بلتستان کی نمائندگی کرتا ہے جو کہ ایک قومی نام نہیں بن سکتا۔

۵۔ شمالی علاقہ جات:

شمالی علاقہ جات اس علاقے کا سرکاری نام ہے۔ جو کسی بھی لحاظ سے قومی نام نہیں ہو سکتا۔ شمالی علاقہ جات اسم نکرہ ہے اسم معرفہ نہیں۔ اس سے اس علاقے کی علیحدہ حیثیت اور قومی تشخص سب کچھ خطرے میں ہے لہٰذا اس سے جتنی جلدی ممکن ہو چھٹکارا حاصل کرنا چاہئے۔

۶۔ ہمالیہ:

دنیا کا سب سے بڑا سلسلہ کوہ ہمالیہ شمال مشرق میں یہی سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس علاقے کا 1/3 حصہ علاقہ گھیرتا ہے۔ سلسلہ ہمالیہ ہندوستان، نیپال، بھوٹان، تبت اور جموں و کشمیر سمیت دریائے سندھ کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ پاکستان کا تمام پہاڑی علاقہ پر مشتمل ہے۔ لہٰذا ہمالیہ کو اس علاقے کے ساتھ کلی طور پر منسوب نہیں کیا جاسکتا البتہ ہمالیہ کا اس علاقے سے جزوی تعلق ہے۔ جو اس علاقے کیلئے بطور قومی نام کے استعمال ممکن نہیں۔

۷۔ قراقرم:

سلسلہ ہمالیہ کی طرح سلسلہ قراقرم بھی اس علاقے کا 1/3 حصہ گھیرتا ہے۔ اورباقی چینی ترکستان (شنجیانگ) اور تبت میں واقع ہے۔ ہماری قوم کے بعض حلقوں کا

خیال ہے کہ اس علاقے کو قراقرم کے نام سے منسوب کیا جائے۔ کیونکہ یہ علاقہ قراقرم کے حوالے سے کافی مشہور ہے۔ اس نام کی مشہوری کی وجہ بعض سرکاری اقدامات ہیں کیونکہ پاکستان چین دوستی کی وجہ سے قراقرم کو پاکستان اور چین کے درمیان قدر مشترک کی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان اور چین کے درمیان تعمیر کی گئی (قدیم سلک روڈ) سڑک کو شاہراہ قراقرم کا نام دیا گیا۔ اس کے علاوہ بھی پاک چین مشترکہ منصوبوں کو قراقرم کے نام سے موسوم کیا گیا ہے مثلاً قراقرم 8 جہاز وغیرہ۔ قراقرم کا لفظ اس علاقے کیلئے قومی نام کے طور پر کسی بھی لحاظ سے درست نہیں۔ اس لئے کہ اول تو کسی قوم کا نام محض کسی پہاڑ کے حوالے سے زیادہ مناسب نہیں۔ ایسے نام عموماً کسی ذیلی انتظامی اکائیوں مثلاً اضلاع تحصیلوں وغیرہ کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ قوموں کیلئے نہیں۔ تاہم کسی ایک مخصوص منفرد صفت کی نسبت سے ایک علاقے یا قوم کو منسوب کیا بھی جاسکتا ہے۔ مثلاً دریائے سندھ کے حوالے سے سندھ یا پانچ دریاؤں کی نسبت سے پنجاب وغیرہ لیکن یہاں قراقرم پہلے سے طے شدہ ایک مخصوص پہاڑی سلسلے کا نام ہے جو بین الاقوامی طور پر اپنے حدود اربعہ کے ساتھ مشہور و معروف ہے کہ قراقرم کا طے شدہ حدود اربعہ نہ تو اس علاقے کو پوری طرح گھیرتا ہے نہ ہی اس کا تعلق پوری طرح اس علاقے سے ہیں۔ بلکہ اس علاقے کا 1/3 حصہ قراقرم پر محیط ہے جو کل سلسلہ قراقرم کا 1/3 حصہ بھی نہیں بلکہ قراقرم دراصل شنجیانگ اور تبت کے چینی علاقوں میں ہے۔ اور لفظ قراقرم بھی شنجیانگ کی زبان اُیغور کا ہے جو ترکی کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ جس کا مطلب کالے پہاڑ ہوتے ہیں بعض دوستوں کا خیال ہے کہ کالے پہاڑ کی نسبت سے

پورے علاقے کو قراقرم کہہ سکتے ہیں۔ یہ اس وقت ممکن تھا کہ باقی ماندہ پہاڑوں کے نام طے شدہ نہ ہوتے۔ یہ اس لئے نا قابل قبول ہے کہ یہ علاقہ قراقرم سلسلہ کے علاوہ ہمالیہ اور ہندکش سلسلوں میں تقسیم ہے۔ قراقرم کی طرح ہمالیہ اور ہندوکش کے حدود اربعہ بھی بین الاقوامی طور پر طے شدہ ہیں۔ ہم کسی بھی کالے پہاڑ کو قراقرم نہیں کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً ننگاپربت کی چوٹی کو قراقرم کی چوٹی نہیں کہہ سکتے۔ اور نہ ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ننگاپربت قراقرم میں واقع ہے یہ بین الاقوامی طور پر طے شدہ ہے کہ ننگاپربت ہمالیہ کی چوٹی ہے۔ اور نہ ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوہ ہمالیہ یا اس کا کوئی حصہ قراقرم میں واقع ہے اس طرح درّہ شندور کو قراقرم کا ایک درّہ قرار نہیں دے سکتے۔ یہ طے ہے کہ شندور ہندوکش میں واقع ہے اور ہندوکش قراقرم میں نہیں۔

دوسرا یہ کہ قراقرم ہماری تاریخ، ثقافت، جغرافیہ اور قومیت کا احاطہ نہیں کرتا۔ کیونکہ ہمیں اپنی قومی شناخت کے پیش نظر پہلے قومیت اور قومیت کی بنیاد پر وطن کی بات کرنی ہے۔ ہم تاریخی، ثقافتی اور جغرافیائی بنیادوں پر ایک ایسا نام اپنالیں جو ہماری بکھری ہوئی قومی لڑی پرو کر یکجا کریں اور ان تمام علاقوں اور لسانی و نسلی اکائیوں کو یکجا کریں جن پر ہماری قومیت اور وطن مشتمل ہے۔

ان تمام باتوں کو قراقرم پورا نہیں کرتا۔ لداخ سے چترال اور کوہستان سے گوجال تک یا کم از کم سیاچن، دیوسائی سے شندور اور بابوسر و بھاشا سے خنجراب تک تمام علاقے کو ہم کس بنیاد پر قراقرم کہہ سکتے ہیں؟

موجودہ 28 ہزار مربع میل رقبہ کا 1/3 حصہ قراقرم پر مشتمل ہے۔ چترال اور

کوہستان کا قراقرم سے دور کا بھی واسطہ نہیں جب کہ لداخ کا 90 فیصد علاقہ ہمالیہ میں واقع ہے۔باقی 10 فیصد میں اکسائے چن اور دریائے شیوک سے شمال میں واقع پٹی ہے۔ جو بھارت، چین اور بھارت پاکستان کے درمیان متنازعہ ہے۔ یہ علاقہ قراقرم میں آتا ہے۔ شمالی علاقہ جات کے پانچوں اضلاع کے ہیڈ کوارٹرز اور خود گلگت قراقرم میں واقع نہیں ہے گلگت کے ساتھ ہندوکش پہاڑ ہے۔ سکردو اور چلاس ہمالیہ کے دامن میں واقع ہے۔ گاہکوچ ہندوکش میں واقع ہے اور خپلو بھی کوہ لداخ کے دامن میں واقع ہے جو بین الاقوامی طور پر کوہ ہمالیہ کی ایک ذیلی شاخ ہے۔

ہم ان تمام حقیقتوں کے باوجود قراقرم کو قومی نام کس طرح اپنالیں۔ اگرچہ یہاں انتظامی اکائیوں کیلئے سرکاری طور پر پہاڑی چوٹیوں اور گلیشرز وغیرہ کے نام استعمال ہوئے ہیں مثلاً ضلع دیامر ضلع گانچھے، مشہ بروم سب ڈویژن وغیرہ۔

قومی نام کسی انتظامی اکائی سے زیادہ معتبر اور مقدس ہوتا ہے اس کا ہمہ گیر اور سب کا نمائندہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ مسلمہ قومیں پہاڑوں، دریاؤں، درّوں اور گلیشرز وغیرہ کی نسبت سے وطن کا نام نہیں رکھتی مثلاً پاکستان میں صوبہ سرحد کی پختون قوم اپنے وطن کا قومی نام رکھنا چاہتی ہے پختون قوم اور حکومت پاکستان کے درمیان اس سلسلے میں زبردست مخاصمت ہے حکومت صوبہ سرحد کا نام خیبر یا اباسین وغیرہ رکھنے پر راضی بھی ہے لیکن پختون صوبہ کا نام پختون خواہ یا پختونستان رکھنے پر مصر ہے۔

دیکھا جائے تو خیبر اور اباسین بھی پختونوں کے ہی حصے ہیں اور ان کی پہچان کے علامات ہیں لیکن وہ ان علامات کو نمائندہ نہیں سمجھتے۔ وہ مکمل نمائندہ نام پر زور

دیتے ہیں اس سلسلے میں یہ بھی ضروری ہے کہ قوم کا نام پہلے طے ہو اور قومی نام کی نسبت سے وطن کا نام تجویز ہو۔ تاکہ وطن سے باہر رہنے والے بھی اپنی قومی شناخت کو برقرار رکھ سکیں لہٰذا ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ شینا، بلتی، بروشسکی، کھوار، وخی، لداخی، کوہستانی اور دیگر چھوٹی زبانیں بولنے والے نسلی اور لسانی گروہ جو اس علاقے میں آباد ہیں سب کیلئے غیر متنازعہ اور نمائندہ نام ہو جو سب کیلئے قابل قبول ہو اور اس نام کی نسبت سے وطن کا نام رکھا جائے اس پورے خلا کو قراقرم پورا نہیں کرتا۔

۸ ہندوکش :

مذکورہ بالا دونوں پہاڑی سلسلوں کی طرح ہندوکش بھی 1/3 حصہ علاقے کو گھیرتا ہے اور اس علاقے سے نسبت رکھتے ہوئے مشرق میں دیگر ملکوں میں پھیلا ہوا ہے۔ ہندوکش کو بطور قومی نام تجویز نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی یہ نمائندہ نام ہو سکتا ہے اس سلسلے میں ہمالیہ اور قراقرم کے بارے میں جو اختصار سے بحث کی گئی ہے یہی دلائل ہندوکش کے بارے میں بھی صادق آتے ہیں۔

مندرجہ بالا تاریخی، لسانی، ثقافتی اور جغرافیائی ناموں میں سے کوئی ایک ایسا نام چن لینا ہوگا جو بحیثیت قومی نام کے اپنے اندر خامیاں کم اور خوبیاں زیادہ رکھیں۔ اس علاقے کی تمام وسعتیں اپنے اندر سما سکیں۔ لداخ سے چترال اور کوہستان سے گوجال تک شینا، بلتی، لداخی، بروشسکی، کھوار، وخی، کوہستانی اور دیگر زبانوں کے بولنے والے نیز کشمیر نژاد اور یہاں آباد افغان، ترک اور دیگر قبائل سبھی کی نمائندگی کر سکیں۔ قارئین کی یاد دہانی کیلئے ہم ایک مرتبہ پھر ان تمام ناموں ان کے مختلف

تلفظ اور مختصر معنی درج کیۓ دیتے ہیں تاکہ انتخاب میں آسانی ہو۔

تاریخی نام :

ا۔ (ا) بروژا = بروشسکی بولنے والی قوم جسے بروشو کہا جاتا ہے کیلیے استعمال کیا گیا ایک تلفظ ہے جو بیرونی لوگوں نے متعارف کرایا ہے۔

(ب) بروشال = بروشسکی بولنے والی قوم جو ماضی میں اس علاقے کے اصل باشندوں پر مشتمل تھی اب قدیم بروشو قوم سے تعلق رکھنے والی پوری آبادی بروشسکی نہیں بولتی بلکہ بروشسکی کے علاوہ شینا اور کھوار وغیرہ بھی اپنایا ہوا ہے۔

۲۔ (ا) دردیسا = یہ دراصل دردیس لفظ ہے جس کا مطلب دردوں کا وطن ہوتا ہے۔درد کے معنی خوفناک کے ہوتے ہیں۔

(ب) دردستان = دردیس کو دردستان بھی کہا گیا ہے۔درد دریائے سندھ اور کشن گنگا کے درمیان آباد قدیم آبادی کا نام ہے۔ جس کے بارے میں واضح طور پر یہ معلوم نہیں کہ موجودہ قومیتوں میں سے کوئی ایک یا چند کا تعلق قطعی طور پر درد سے ہے۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ شین قبائل اصل درد ہے۔ بعض کے نزدیک شینا بولنے والے دیگر قومیتیں یشکن، کمین اور ڈوم بھی درد کا حصہ ہے۔اور اکثر محققین کا کہنا ہے کہ شینا، کوہستانی، کالاش، کھوار اور کشمیری بولنے والے سبھی درد ہیں۔

۳۔ (ا) بلو = چینی، تبتی اور شینا بولنے والے بلتستان کے ہمسائے بلتیوں کو بلو اور بلتستان کو پلے کہتے ہیں۔

(ب) بلوز = بروشسکی بولنے والے بلتیوں کو بلوز کہتے ہیں۔

(ج) بلور / بلورستان = بلو، بلوز یا بالاور کا بگڑا ہوا تلفظ بلور ہے جو بیرونی سیاحوں نے اس علاقے کیلئے استعمال کیا ہے۔ بلور کے علاوہ اس کا تلفظ بولر اور بولور وغیرہ بھی کیا ہے۔ بلور کی نسبت سے اس علاقے کو بلورستان کہا گیا ہے بلور یا بلورستان کا کوئی مطلب اب تک واضح نہیں۔ بلور کا ایک اور تلفظ بیلاور بھی ہو سکتا ہے جس کا مطلب خوبصورت اور صاف و شفاف کے ہیں۔ لیکن محققین نے اس بات کو اب تک زیر بحث نہیں لایا ہے۔

(د) بالاور / بالاورستان = جنوبی وسطی اور مغربی ایشیاء کے لوگوں نے اس علاقے کو بالائی خطے کی نسبت سے بالاور اور بالاورستان کے نام استعمال کئے ہیں۔ بالاور کا مطلب اونچے علاقوں میں رہنے والے لوگ اور بالاورستان کا مطلب بالاور قوم کی وطن ہے۔ بالاور اور بالاورستان کا بگڑا ہوا تلفظ بلور اور بلورستان ہے جس کا کوئی مطلب نہیں بنتا۔

انتظامی نام :

۴۔ گلگت بلتستان = گلگت اور اس میں انتظامی طور پر شامل ارد گرد کا علاقہ اور بلتستان دونوں علاقوں پر مشتمل ایک وحدت۔ گلگت اور بلتستان کا مرکب مصنوعی نام گلستان ہو سکتا ہے۔

۵۔ شمالی علاقہ جات = انتظامی طور پر پاکستان میں شامل ہونے کے ناطے ملک کا شمالی علاقہ

جغرافیائی نام :

۶۔ ہمالیہ = دنیا کا سب سے بڑا سلسلہ کوہ ہمالیہ جو جنوب مشرق میں اس

علاقے سے شروع ہو کر برصغیر اور تبت میں پھیلا ہوا ہے۔ ہمالیہ اس علاقے کا 1/3 حصہ گھیر تا ہے۔

۷۔ قراقرم = دنیا کا مشہور و معروف سلسلہ قراقرم کا تقریباً 1/3 حصہ اس علاقے میں واقع ہے اور اس علاقے کا 1/3 حصہ کوہ قراقرم پر مشتمل ہے۔ قراقرم کالے پہاڑ کو کہتے ہیں جو ترکی زبان کی ایک ذیلی شاخ اُیغور کا لفظ ہے۔ اُیغور زبان چینی ترکستان (شنجیانگ) میں بولی جاتی ہے اور سلسلہ قراقرم بھی زیادہ تر یہیں واقع ہے۔

۸۔ ہندوکش = اس علاقے کا مغربی حصہ ہندوکش پر مشتمل ہے جو پورے علاقے کا 1/3 حصہ ہے۔ سلسلہ ہندکش وسطی ایشیاء اور افغانستان میں پھیلا ہوا ہے۔

۹۔ - زبانوں کے اعتبار سے یہ علاقہ شیناکی، بلتستان، کھوار گھوم وغیرہ کہلا سکتا ہے لیکن کوئی بھی ایک زبان پورے علاقے کی نمائندگی نہیں کر سکتی یہاں تک کہ شینا اور بلتی کی نسبت سے شیناکی یا بلتستان بھی پورے علاقے کے نام مناسب نہیں لہٰذا زبان کی بنیاد پر ایک قومی نام مناسب نہیں۔

۱۰۔ پہاڑوں کی نسبت سے اس علاقے کو منسوب کرنا زیادہ مناسب ہے جیسے کوہستان، کوہسار وغیرہ۔ کوہستان پہلے ہی ایک علاقے کا نام ہے جو اس علاقے اور پاکستان کے صوبہ سرحد کے درمیان متنازعہ ہے۔ پہاڑوں کی نسبت سے کوئی دوسرا مناسب اور خوبصورت نام اب تک زیر بحث نہیں آیا ہے۔

اب یہ فیصلہ قوم پر چھوڑا جا رہا ہے کہ وہ مناسب نام کا انتخاب کرے تاکہ نام

کی وجہ سے بگڑا ہوا کام سنور سکیں۔ اس کتابچے میں تقریباً وہ تمام نام اور ان کے تلفظ کا مختصر اور جامع پس منظر اور معنی بتائے گئے ہیں جو تاریخی اور جغرافیائی طور پر اس علاقے کیلئے استعمال ہوئے ہیں۔ قوم کے اہل دانش، سیاست دان، طلبہ اور تمام طبقوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ ایک مثبت تنقیدی رویہ اختیار کرتے ہوئے مناسب نام کا انتخاب کریں۔ خواہ مجوزہ نام تاریخی اور جغرافیائی ناموں میں سے ہو یا اُن ناموں کے مختلف تلفظوں میں سے کوئی بامعنی نام ہو یا پھر کوئی بالکل نیا اور نمائندہ صفت کے حامل مصنوعی نام ہو۔ بہر حال ایک قومی نام اپنانا ہم سب کی بنیادی ضرورت ہے۔ جس کا احساس قوم کے فرد ہوتے ہوئے دھرتی ماں کے تمام فرزندوں کو ہونا چاہئے۔

ہمیں امید ہے کہ قوم اس اہم مسئلے کو سنجیدگی سے لے گی اور اپنی شناخت اور پہچان کے مسئلے کو حل کرے گی۔

قومی وجود

شمالی علاقہ جات کا سب سے بڑا مسئلہ قومی تشخص اور پہچان کا ہے۔ بابو سر سے خونجراب، اور سیاچن سے شندھور تک 28 ہزار مربع میل رقبہ جو شمالی علاقہ جات کے سرکاری نام سے موسوم ہے، ایک سیاسی، جغرافیائی اور انتظامی اکائی ہے۔ جس کا کوئی قومی نام سرکاری طور پر تسلیم نہیں جس کی وجہ سے اس اکائی پر مشتمل وطن اور یہاں بسنے والے لوگوں کی قومی تشخص اور علیحدہ حیثیت مشکوک ہے، اس صورت حال سے اس علاقے اور یہاں بسنے والے لوگوں کے مخالفین فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اس علاقے پر ہمسائے اپنا دعویٰ جتا رہے ہیں بلکہ اس اکائی کو توڑ پھوڑ کر ٹکڑے کرنے کی سازشیں بھی سرعام کر رہے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس علاقے کا صحیح حدود اربعہ اور قومی شناخت طے کیا جائے۔

شمالی علاقہ جات کا قومی نام تجویز کرنے سے قبل ہمیں اس کے وجود کے بارے میں حقیقی جائزہ لینا ہوگا۔ اس سلسلے میں ہم تمام زمینی حقائق پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

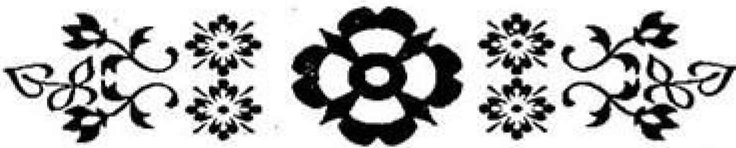
آئینی لحاظ سے یہ علاقہ اس وقت ایک ایسی الگ اکائی ہے جو کسی بھی آئین کے دائرہ اختیار میں نہیں آتا۔ حکومت پاکستان کے زیر انتظام ہوتے ہوئے آئین کا حصہ نہیں۔ جموں وکشمیر کے ساتھ متنازعہ علاقہ ہوتے ہوئے بھی آزاد جموں کشمیر کی عبوری آئین کا حصہ نہیں۔

اگر ریاست جموں کشمیر کے حوالے سے بھارت نے اپنے آئین کا حصہ بنا بھی دیا تو

نوٹ :-

"علاقے کا نام منتخب کرنے کیلئے مختلف ناموں پر اختصار سے علمی و عقلی بحث کی گئی ہے۔ تاہم کتابچے میں شامل تاریخی مواد مختلف محققین اور مورخین کی کتابوں سے لیا گیا ہے۔ ضرورت پڑنے پر مواد کی صحت کیلئے حوالے پیش کئے جا سکتے ہیں۔"

مصنف



نام کتاب	ہم کون ؟ (نام کی اہمیت)
مصنف	نواز خان ناجی
کمپوزنگ اینڈ ڈیزائنگ	خادم حسین پاروی
ناشر	عیسیٰ انٹرپرائزز
تعداد	1500
تاریخ اشاعت	7، جنوری 2001ء

